باب ۱۳

ہجرت الیٰ المدینہ

سب سے پہلے مہاجر ابن جریر اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ ابھی مدینے کی طرف عام ہجرت کی نوبت نہ آئی تھی، اور صرف بیعت عقبہ ہی ذی الحجہ ۱۳ھ بعد بعثت میں ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے رضاعی بھائی اور آپ کی پھوپھی بَرّہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے حضرت ابو سَلَمہ رضؓ نے مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا، کیونکہ ہجرتِ حَبَشہ سے مکّے واپس آنے کے بعد وہ کفارِ مکّہ اور خود اپنے قبیلے بنی مخزُوم کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے۔ مگر ظالموں نے ان کو بخیریت نکلنے بھی نہ دیا۔

حضرت اُمِّ سَلَمہ کی داستانِ مصیبت ابنِ ہشام نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے خود اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا کی اپنی روایت نقل کی ہے کہ: جب میرے شوہر ابو سَلَمہ رضؓ مدینے جانے لگے تو میں بھی اُن کے ساتھ اپنے بچے سَلَمہ کو گود میں لیے ہوئے نکلی، اور وہ مجھے اور میرے بچے کو اُونٹ پر بٹھا کر اُس کی نکیل تھامے ہوئے چل پڑے۔ میرے مَیکے کے لوگوں (بنی مُغیرہ) نے اُن کو جاتے دیکھا تو راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے "تم خود تو ہمارے قابو سے باہر ہو گئے ہو۔ جہاں تمہارا جی چاہے جاؤ۔ مگر اپنی اِس لڑکی کو تمہارے ساتھ جگہ جگہ ماری ماری پھرنے کے لیے ہم کیسے چھوڑ دیں؟" چنانچہ انہوں نے اونٹ کی نکیل ابو سَلَمہ کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے واپس لے چلے۔ اُدھر ابو سَلَمہ کے خاندان والے (بنی عبدالاَسَد) بگڑ کھڑے ہوئے اور انہوں نے آ کر کہا کہ "تم نے جب ہمارے آدمی سے اپنی لڑکی کو چھین لیا، تو ہم اپنے لڑکے سَلَمہ کو اِس کے پاس کیوں چھوڑ دیں؟" یہ کہہ کر انہوں نے میرے بچے کو زبردستی مجھ سے چھین لیا اور اِس چھینا جھپٹی میں بچے کا ہاتھ اُتر گیا (بلاذُری کا بیان ہے کہ مرتے دم تک اس بچے کا ہاتھ اُترا رہا)۔ اب حال یہ تھا کہ بچہ وہ لے گئے، بنی مُغیرہ نے مجھے اپنے ہاں لے جا کر بند کر دیا، اور ابو سَلَمہ بے چارے تن تنہا

مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ تقریباً ایک سال تک میرا معمول یہ رہا کہ روز نکل کر اَبْطح میں جا بیٹھتی اور روتی رہتی۔ ایک روز بنی مغیرہ میں سے ایک شخص نے، جو میرے چچازاد رشتہ داروں میں سے تھا، مجھے اِس حالت زار میں دیکھ لیا اور اسے مجھ پر رحم آگیا۔ اس نے جا کر بنی مغیرہ سے کہا "اِس مسکین کو کیوں نہیں جانے دیتے؟ تم نے اِسے اس کے شوہر سے بھی جُدا کر دیا اور بچے سے بھی"۔ آخر کار انہوں نے مجھ سے کہا اگر تو اپنے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا۔ بنی عبد الاسد نے میرا بچہ بھی مجھے واپس دے دیا۔ میں بچے کو لیے ہوئے اپنے اُونٹ پر اکیلی مدینے کی طرف روانہ ہو گئی۔ تَنْعِیم کے قریب پہنچی تو بنی عبدُ الدار کے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ راستے میں ملے[1]۔ انہوں نے کہا ابو اُمیہ کی بیٹی، کدھر جا رہی ہو؟ میں نے کہا اپنے شوہر کے پاس مدینے جا رہی ہوں۔ انہوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی نہیں؟ میں نے کہا خدا اور اِس بچے کے سوا میرے ساتھ کوئی نہیں۔ وہ بولے خدا کی قسم میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا۔ پھر وہ میرے اُونٹ کی نکیل تھام کر چلنے لگے۔ واللہ کہ میں نے ان سے زیادہ شریف آدمی نہیں دیکھا۔ جب وہ کسی منزل پر پہنچتے تو میرے اُونٹ کو بٹھا کر الگ ہٹ جاتے۔ میں بچے کو لے کر جب اُتر جاتی تو وہ اُونٹ کو کسی درخت سے باندھ دیتے اور مجھ سے دُور کسی درخت کے نیچے جا لیٹتے۔ پھر جب چلنے کا وقت آتا تو وہ اُونٹ کو لا کر بٹھاتے، الگ ہٹ کر کھڑے ہو جاتے، اور مجھ سے کہتے سوار ہو جاؤ۔ میرے سوار ہونے کے بعد وہ اُونٹ کی نکیل تھام کر روانہ ہو جاتے۔ مدینے تک سارا راستہ انہوں نے اِسی طرح طے کیا، اور جب قُباء میں بنی عَوف کی بستی نظر آئی تو مجھ سے کہا "تمہارے شوہر وہاں ہیں، اُن کے پاس چلی جاؤ، اللہ تمہیں برکت دے"۔ اس کے بعد جس طرح وہ پیدل آئے تھے اسی طرح پیدل مکہ واپس چلے گئے۔ اِس واقعہ

---

[1] یہ کلید بردارِ کعبہ تھے، جنگ میں قریش کا جھنڈا بھی اِنھی کے ہاتھ میں ہوتا تھا، مکّے کے بڑے سرداروں میں شمار کیے جاتے تھے، اور اُس وقت نہ صرف یہ کہ مشرک تھے، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ اپنے چچا زاد بھائی مُصْعَبؓ بن عُمیر کو اسلام قبول کرنے پر انہوں نے سخت اذیتیں دی تھیں۔ حضرت اُمّ سلمہؓ سے اِن کا کوئی قریبی رشتہ بھی نہ تھا۔ اسلام اِنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد قبول کیا اور حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ ہجرت کی۔

کو بلاذُری نے بھی انساب الاشراف میں بیان کیا ہے)۔

اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کفارِ قریش مسلمانوں پر زیادتیاں کرنے میں جوں جوں حد سے گزرتے چلے جارہے تھے، اس کو دیکھ دیکھ کر خود اُن کے اپنے گروہ کے لوگوں میں اِس ظلم سے بیزاری اور مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوتی چلی جارہی تھی۔ اُس معاشرے کے جن لوگوں میں بھی انسانیت اور شرافت کا جوہر موجود تھا وہ اسلام سے سخت عداوت رکھنے کے باوجود اپنی قوم کے اُن بلند سیرت افراد کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے جنھوں نے کسی دنیوی غرض کے بغیر محض اپنے ایمان کی خاطر ہر قسم کی مصیبتیں اور اذیتیں برداشت کرلیں، مگر کسی ظلم سے دب کر اُس چیز سے منہ نہ موڑا جس کو وہ حق مان چکے تھے۔

ہجرت کا اذنِ عام آخری بیعتِ عقبہ (یعنی ذی الحجہ ۱۳ بعد بعثت) کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے کے مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ اللہ عزّ وجلّ نے اب تمھارے لیے بھائی پیدا کر دیے ہیں اور ایک ایسا شہر فراہم کر دیا ہے جہاں تم امن سے رہ سکتے ہو (ابن ہشام، بحوالہ ابن اسحاق)۔ یہ حکم ملتے ہی سب سے پہلے حضرت عامرؓ بن ربیعۃ العَنَزی اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی حَثمہ کے ساتھ نکلے۔ پھر حضرت عمّارؓ بن یاسر اور حضرت بلالؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ہجرت کی۔ پھر حضرت عثمانؓ بن عفان اپنی اہلیہ رُقَیَّہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ پھر مہاجرت کا ایک سلسلہ چل پڑا اور لوگ پے در پے اِس نئے دار الہجرت کی طرف جانے لگے، حتّٰی کہ پورے پورے کنبے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ ابن اسحاق کے حوالے سے ابن ہشام نے خاص طور پر تین خاندانوں کا ذکر کیا ہے جن کے سب افراد ہجرت کر گئے اور ان کے گھر خالی کے خالی پڑے رہ گئے۔ ایک، بنی مَظعُون۔ دوسرے، بنی البُکَیر۔ تیسرے، بنی جَحش بن رِئاب۔ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ بنی جَحش کے ساتھ بنی اسد بن خُزَیمہ کے بھی عورت مرد، بچے، سب چلے گئے۔ ان دونوں خاندانوں کے جملہ ۳۰ افراد نے ہجرت کی جن میں حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہؓ بن جَحش اور ابو احمدؓ بن جَحش (جن کا نام عبدُ تھا)، اور ان کی بہنیں حضرت زینبؓ بن جَحش (جو بعد میں ام المومنین بنیں) اور حَمنہؓ بنتِ جَحش (حضرت مُصعَبؓ بن عُمیر کی بیوی) اور ام حبیبؓ بنت جَحش (حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کی بیوی) شامل تھیں۔ ان کے جانے کے بعد عُتبہ بن ربیعہ اور عباس بن عبدالمطلب اور ابوجہل کا اُدھر سے گذر ہوا۔

عُتبہ بن ربیعہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر رنج کے ساتھ کہا "آج بنی جحش کا گھر بے آباد پڑا رہ گیا"۔ اس پر ابوجہل بولا " روتے کیا ہو، یہ سب ہمارے اِس بھائی، (یعنی عباس) کے بھتیجے کا کیا دھرا ہے۔ اُس نے ہماری جماعت میں تفرقہ برپا کر دیا، ہمارے آپس کے روابط کاٹ دیے اور ہم میں پھوٹ ڈال دی"۔ اِس کے بعد ابوسُفیان کی باری آئی اور اُس نے بنی جحش کے گھر پر قبضہ کر کے اُسے بیچ ڈالا۔ بہانہ یہ تھا کہ اُس کی بیٹی فرعہ (یا فارعہ) ابواحمدؓ بن جحش کی بیوی تھی۔ گویا داماد کے سارے خاندان کی وراثت اُس کے جیتے جی خُسر کو پہنچ گئی! حضرت عبداللہ بن جحش نے ابوسفیان کی اِس زیادتی کا شکوہ حضورؐ کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا "کیا تم اپنے اس گھر کے بدلے جنت میں ایک گھر ملنے پر راضی نہیں ہو؟" فتح مکہ کے بعد جب حضرت ابواحمدؓ نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ہمارا گھر ہمیں واپس دلایا جائے تو آپؐ خاموش رہے۔ صحابہ نے اُن سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پسند نہیں فرماتے کہ مہاجرین کا جو مال خدا کی راہ میں جا چکا ہے اُسے واپس لینے کی کوشش کریں۔ خود حضورؐ کا اپنا مکان، جو مکے میں تھا، اُس پر عقیل بن ابی طالب نے، جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، ہجرت کے بعد قبضہ کر لیا تھا، اور آپ نے فتح مکہ کے بعد وہ اُن سے واپس نہ لیا (ابوداؤد، کتاب الحج)۔

مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے لیے قریش کی تدبیریں حضرت صُہَیبؓ جب ہجرت کے لیے نکلے تو قریش کے لوگوں نے اُن سے کہا "تم یہاں کنگال آئے تھے، اور ہمارے ہی شہر میں رہ کر مالدار ہوئے۔ اب تم چاہتے ہو کہ اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی یہاں سے نکال لے جاؤ۔ واللہ یہ نہیں ہو سکتا" حضرت صہیب نے جواب دیا "اگر میں اپنا سارا مال تمہیں دے دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟" انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت صہیبؓ نے سارا مال اُن کے حوالے کر دیا اور راہ جھاڑ کر راہ خدا میں نکل کھڑے ہوئے۔ حضورؐ کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا صہیبؓ نے نفع کا سودا کیا، صہیبؓ نے نفع کا سودا کیا۔ یہ اسحاق بن راہَوَیہ، ابن مَردُوَیہ، ابن ہشام اور بَلاذُری کی روایت ہے جو انہوں نے ابوعثمان النَّہدی سے نقل کی ہے۔

ابن عبدالبَرّ نے الدُّرر فی اختصار المَغازی والسِّیَر میں لکھا ہے کہ جب حضرت صُہَیبؓ مکے سے روانہ ہوئے تو قریش نے اُن کا پیچھا کیا تاکہ انہیں قتل کر کے اُن کا مال لے لیں۔ انہوں نے اِن لوگوں کو آتے دیکھ کر کہا "تم لوگ جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ اچھا تیر انداز ہوں۔ خدا کی قسم تم میں سے کوئی

مجھ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ جس جس کی موت آئی ہے وہ مر نہ جائے۔" تعاقب کرنے والوں نے کہا "اپنا مال چھوڑ دو اور چلے جاؤ" حضرت صہیبؓ نے کہا مال تو میں مکہ ہی میں چھوڑ آیا ہوں، فلاں جگہ جاؤ اور اسے نکال لو۔ چنانچہ وہ پلٹ گئے اور ان کا مال لے لیا۔ اسی سے ملتی جلتی روایت بلاذری نے بھی حضرت سعید بن المُسیّب سے نقل کی ہے۔

بیہقی اور طبرانی نے حضرت سعید بن المُسیّب ہی کے واسطے سے حضرت صُہَیبؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں جب ہجرت کے ارادے سے نکلنے لگا تو قریش کے چند نوجوانوں نے مجھے روک لیا۔ رات کو جب وہ لوگ سو گئے تو میں بھاگ نکلا۔ مگر راستے میں ان کے بعض ساتھیوں نے مجھے آپکڑا۔ میں نے کہا کہ اگر میں مکہ چل کر تم کو کئی اُوقیے[1] سونا دے دوں تو تم مجھے چھوڑ دو گے؟ انہوں نے اس کا وعدہ کر لیا اور میں نے واپس جا کر ان سے کہا کہ فلاں جگہ زمین کھود کر سونا نکال لو اور فلاں عورت کے پاس جا کر دو حُلّے (کپڑوں کے جوڑے) لے لو۔ اس طرح میں ان سے رہائی پا کر حضورؐ کے پاس قُبا پہنچا تو آپ نے فرمایا اس سودے میں تو تم نے بڑا نفع کمایا۔ میں نے عرض کیا اس معاملے کی کسی کو خبر نہ تھی۔ آپ کو جبریل کے سوا اس کی اطلاع دینے والا اور کون ہو سکتا تھا۔

عَیّاشؓ بن ابی ربیعہ کی سرگزشت دوسرے مہاجرین تو چھپ چھپ کر نکلے، مگر حضرت عمرؓ علانیہ ۲۰ سواروں کے ساتھ نکلے۔ ان کی معیت میں اُن کے بھائی زیدؓ بن الخطاب، اُن کے بہنوئی سعیدؓ بن زید بن عَمرو بن نُفَیل، اُن کے داماد خُنَیسؓ بن حُذافہ (حضرت حفصہؓ کے سابق شوہر) اور دوسرے بہت سے اصحاب تھے۔ بزّار اور ابن اسحاق نے صحیح سند کے ساتھ خود حضرت عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عَیّاشؓ بن ابی رَبیعہ اور ہِشامؓ بن عاص بن وائل سے یہ طے کیا تھا کہ وہ دونوں تَناضِب کے مقام پر (مکّے سے دس میل دُور) ہم سے آملیں گے، اور جو بھی وقت مُقرّر پہ وہاں نہ پہنچے گا اس کے متعلق سمجھ لیا جائے گا کہ وہ پکڑا گیا اور باقی لوگ اس کا انتظار کیے بغیر آگے روانہ ہو جائیں گے۔ ہِشام مکّہ ہی میں پکڑ لیے گئے اور عَیّاش ہمارے ساتھ مدینے پہنچ گئے۔ پیچھے پیچھے ابوجہل بن ہِشام اور حارث بن ہِشام (جو عیاش کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور ماں جائے بھائی بھی[2]) مدینے جا پہنچے اور پوری

---

[1] ایک اُوقیہ مساوی ہے ۳ ۱/۳ تولہ کے۔

[2] ابوجہل اور حارث دونوں سگے بھائی تھے۔ اُن کے باپ ہِشام بن مغیرہ کی وفات کے بعد اُن کی ماں نے (باقی بر صفحہ ۱۴)

مکاری کے ساتھ یہ کہہ کر عیاشؓ کو رام کر لیا کہ اماں جان نے قسم کھالی ہے کہ جب تک تمہیں دیکھ نہ لیں گی نہ سر میں کنگھی کریں گی اور نہ دھوپ سے سائے میں جائیں گی۔ میں نے بہتیرا سمجھایا کہ یہ تمہیں دھوکے سے پھانس لینا چاہتے ہیں، اِن کے فریب میں نہ آؤ، تمہاری ماں کو جب جوئیں ستائیں گی تو آپ ہی کنگھی کرے گی اور مکّے کی گرمی جب برداشت نہ ہوگی تو خود ہی سائے میں چلی جائے گی۔ مگر عیاشؓ پر ماں کی محبت غالب آگئی اور مجھ سے کہنے لگے کہ بس میں اپنی ماں کی قسم پوری کروں گا اور اپنا مال لے کر واپس آجاؤں گا۔ میں نے کہا میں اپنا آدھا مال تمہیں دیتا ہوں، تم ان کے ساتھ نہ جاؤ۔ مگر وہ نہ مانے۔ آخر میں نے کہا، اچھا اگر تمہیں جانا ہی ہے تو میری اُونٹنی لے جاؤ۔ یہ بہترین اُونٹنی ہے۔ اسے ہرگز نہ چھوڑنا۔ جب اِن دونوں کی نیت خراب دیکھو تو فوراً اِس پر بھاگ نکلنا۔ یہ بات انھوں نے مان لی۔ راستے میں ایک جگہ ابوجہل نے اُن سے کہا" بھتیا میرا اُونٹ ٹھیک نہیں چل رہا ہے، تم اپنی اُونٹنی پر مجھے ساتھ نہ بٹھالو گے"؟ عیاشؓ نے کہا کیوں نہیں۔ پھر دونوں زمین پر اُترے تاکہ ابوجہل اپنے اُونٹ سے عیاشؓ کی اُونٹنی پر بیٹھ سکے۔ حارث بھی اپنا اُونٹ بٹھا کر نیچے اُتر آیا اور دونوں نے مل کر عیاشؓ کو باندھ لیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عیاشؓ بن ابی ربیعہ کے خاندان والوں نے مجھے بتایا کہ ابوجہل اور حارث عیاشؓ کو لیے ہوئے اِس حالت میں دن دہاڑے مکّے پہنچے کہ وہ رسّیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی اعلان کرتے جاتے تھے کہ اے اہل مکہ اپنے اپنے نالائق لونڈوں کو اس طرح سیدھا کرو جس طرح ہم نے کیا ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجھے قابل اعتماد لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہشامؓ بن عاص اور عیاشؓ بن ابی ربیعہ کے لیے پریشان تھے۔ آپؐ نے فرمایا کون اِن دونوں کو میرے پاس لانے کے لیے تیار ہے؟ ولید بن ولید بن مغیرہ (خالد بن ولید کے بھائی) نے عرض کیا، یا رسولؐ اللہ میں یہ خدمت انجام دینے کے لیے حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ مکّے گئے، چھپ کر اِس ٹوہ میں لگے رہے کہ دونوں قیدیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) ابو ربیعہ بن مغیرہ سے نکاح کر لیا جو ابوجہل اور ہشام کا بھائی تھا۔ عیاشؓ بن ابی ربیعہ اُسی سے پیدا ہوئے۔ اِس طرح ابوجہل اور حارث اُن کے ماں جائے بھائی بھی تھے اور چچا زاد بھائی بھی۔

کا پتہ چلائیں، اور جب معلوم ہوا کہ وہ ایک بے چھت کے احاطے میں بند ہیں تو رات کے وقت دیوار پھاند کر وہاں پہنچے، دونوں کی بیڑیاں کاٹیں، اور اپنے اونٹ پر بٹھا کر انہیں مدینے لے آئے۔

حضرت عبداللہؓ بن سُہیل کی بِپتا جو لوگ ہجرت سے زبردستی روکے گئے تھے اُن میں سے ایک حضرت عبداللہؓ بن سُہیل بن عمرو بھی تھے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ وہ ہجرت الی المدینہ کی خبر سُن کر حبش سے مکے آئے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نئے دارالہجرت چلے جائیں۔ مگر ان کے باپ سُہیل بن عمرو نے زبردستی انہیں روک کر قید کر دیا۔ انہوں نے حیلہ کر کے باپ کو اطمینان دلادیا کہ وہ دینِ آبائی کی طرف پلٹ آئے ہیں۔ اِسی اعتماد پر وہ جنگِ بدر میں انہیں ساتھ لے گیا۔ مگر جب فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو حضرت عبداللہؓ مسلمانوں سے جا ملے۔ اِس کے کئی سال بعد جب فتح مکہ کے موقع پر اُن کے باپ مسلمان ہوئے تو وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ نے میرے بیٹے عبداللہؓ کے ایمان میں میرے لیے بہت بڑی خیر رکھ دی تھی۔

حضورؐ کا آخری وقت تک مکہ میں ٹھیرے رہنا ابن اسحاق کی روایت کے مطابق مجموعی طور پر حبش سے جو مہاجرین مدینے کی طرف ہجرت کرنے کے لیے مکے آئے تھے ان میں سے سات آدمیوں کو قید کر لیا گیا اور وہ ہجرت نہ کر سکے۔ اُن کے علاوہ مکے میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جو ہجرت کرتے ہوئے پکڑ لیے گئے، یا جو ایسے مجبور تھے کہ ہجرت نہ کر سکتے تھے، یا جو دل میں ایمان تو رکھتے تھے، مگر اپنی کمزوریوں کے باعث ہجرت کی ہمت نہ کر سکے۔ ایسے سب لوگوں کے سوا باقی جتنے لوگ بھی ہجرت کر سکتے تھے وہ سب چلے گئے اور مکے میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ باقی رہ گئے۔

بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے مدینے کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو حضورؐ نے فرمایا "ذرا اپنی جگہ ٹھیرے رہو، کیونکہ میں توقع رکھتا ہوں کہ مجھے بھی جانے کی اجازت مل جائے گی"۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا آپ اس کی توقع رکھتے ہیں؟" فرمایا، ہاں۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ رک گئے تاکہ حضورؐ کے ساتھ ہجرت کریں، اور دو اونٹنیاں لے کر اُن کو پالنا شروع کر دیا۔ ابن اسحاق کی روایت جو ابن ہشام اور ابن جریر نے نقل کی ہے، اُس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ جب بھی حضورؐ سے اجازت طلب کرتے، جواب میں آپؐ

فرماتے "جلدی نہ کرو، شاید اللہ تمہیں ایک ساتھی عطا فرما دے"۔ اس سے جناب صدیقؓ کو یہ اُمید ہو گئی کہ وہ ساتھی آپؐ خود ہوں گے۔ حاکم کی روایت حضرت علیؓ سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ سے پوچھا ہجرت میں میرے ساتھ کون ہوگا؟ انھوں نے کہا ابو بکرؓ۔ ابن جریر عُروہ بن زُبیرؓ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے دوسرے ہجرت کرنے والے صحابہ کے ساتھ جانے کے لیے دو اُونٹنیاں خرید رکھی تھیں۔ جب انہیں یہ اُمید ہو گئی کہ ان کو حضورؐ کی صحبت کا شرف حاصل ہوگا تو انہوں نے ان اُونٹنیوں کو خوب کھلا پلا کر تیار کر لیا۔

ابن اسحاق کے حوالہ سے ابن ہشام اور ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو حضورؐ نے اس لیے روک لیا تھا کہ وہ آپ کے پیچھے مکہ میں ٹھیر کر اُن سب لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں جنہوں نے اپنے قیمتی مال حفاظت کے لیے آپ کے پاس رکھ چھوڑے تھے۔ اس سلسلے میں ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مکے میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کے پاس اگر کوئی چیز ایسی ہوتی جس کے چوری ہو جانے کا اُسے خطرہ ہوتا تو وہ اس کو حضورؐ کے پاس امانتہً نہ رکھوا دیتا ہو، کیونکہ آپ کی دیانت و امانت پر دوست و دشمن سب کو بھروسا تھا۔

اِس طرح آخری بیعتِ عَقَبہ (۱۲ ذی الحجہ ۱۳ بعدِ بعثت) سے صفر ۱۴ بعدِ بعثت کے اختتام تک تقریباً ڈھائی مہینے حضورؐ ایسی حالت میں اپنی جگہ ٹھیرے رہے جبکہ مدینے کی طرف ہجرت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا اور آخری چند ایام ایسے گذرے کہ آپ کے سب ساتھی جا چکے تھے، تنہا آپ اپنے دو رفیقوں کے ساتھ دشمنوں کے درمیان صرف اس لیے مقیم تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم آنے سے پہلے اپنے مقامِ ماموریت کو چھوڑ دینا آپ کے لیے ممکن نہ تھا۔ غور کیا جائے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتنا عظیم احساسِ فرض تھا جس نے آپ کو اِس پُرخطر حالت میں اپنی جگہ پر ثابت قدم رکھا، اور کیسے دل گردے کے تھے وہ لوگ جو درندوں کی اُس کچھار میں بے خوف و خطر آپ کے ساتھ ٹھیرے رہے۔

قریش کی پریشانی کفارِ قریش کو اب یقین ہو گیا تھا کہ کسی روز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینے کی طرف ہجرت فرما جائیں گے، اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ حضورؐ کی زبردست شخصیت، آپ کی غیر معمولی قابلیتوں، اور قرآن کی عظیم قوتِ تسخیر سے وہ ناواقف نہ تھے۔

اب وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ کو ایک ٹھکانا میسر آگیا ہے۔ دو طاقت ور اور جنگ آزما قبیلے آپ کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ خود قریش کے ایسے جوانمرد اور جانباز لوگ ان سے جا ملے ہیں جنہوں نے ۱۳ سال تک ہر قسم کے مصائب و شدائد برداشت کر کے اپنی عزیمت و استقامت کا پورا پورا ثبوت دے دیا ہے اور بار بار ہجرت کر کے یہ بھی دکھا دیا ہے کہ وہ اپنے ایمان پر اپنا گھر بار، مال اسباب، رشتہ و برادری، قوم و وطن، سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم قیادت کے تحت ایسے فداکار لوگوں کا ایک مضبوط جتھے کی شکل میں منظم ہو جانا، اور ایک شہر کی ریاست بھی ان کے ہاتھ میں آجانا، پرانے نظام کے لیے موت کا پیغام تھا۔ پھر خصوصیت کے ساتھ مدینے کا محلِ وقوع ایسا تھا کہ وہاں مسلمانوں کی اس طاقت کے مجتمع ہونے سے قریش کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ یمن سے شام کی طرف جو تجارتی شاہراہ ساحل بحر احمر کے کنارے کنارے جاتی تھی اور جس کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا، وہ مسلمانوں کی زد میں آجائے گی اور اس شاہ رگ پر ہاتھ ڈال کر مسلمان نظامِ جاہلی کی زندگی دشوار کر دیں گے۔ صرف اہلِ مکّہ کی وہ تجارت جو اس شاہ راہ کے بل پر مکّے سے شام و روم اور مصر تک چل رہی تھی، ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ تک پہنچتی تھی۔ طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے ماسوا تھی۔ اسی وجہ سے بیعتِ عَقَبہ کی خبر پاتے ہی قریش میں کھلبلی مچ گئی۔ پہلے تو انہوں نے اہلِ مدینہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، مگر اس میں وہ ناکام ہو گئے۔ پھر انہوں نے مکّے سے مسلمانوں کی ہجرت کو روکنے کے لیے تمام ممکن تدبیریں اختیار کر لیں، مگر وہ چند ہی لوگوں کو روک سکے اور اہلِ ایمان کی بڑی تعداد مدینے پہنچ گئی۔ اِس کے بعد وہ اِس خطرے کو روکنے کے لیے آخری چارۂ کار اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

حضوؐر کے قتل کا فیصلہ ابن ہشام، ابن سعد، ابن جریر اور بَلاذُری نے لکھا ہے کہ آخری فیصلہ کرنے کے لیے دار النَّدوَہ میں تمام رؤسائے قوم کا ایک خفیہ اجتماع منعقد ہوا اور اس بات پر مشورہ کیا گیا کہ اس خطرے کا سدِّباب کس طرح کیا جائے۔ ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ اِس شخص کو بیڑیاں پہنا کر ایک جگہ قید کر دیا جائے اور جیتے جی رہا نہ کیا جائے۔ لیکن اس رائے کو قبول نہ کیا گیا، کیونکہ کہنے والوں نے کہا کہ اگر ہم نے اسے قید کر دیا تو اس کے جو ساتھی قید خانے سے باہر ہوں گے وہ برابر اپنا کام کرتے

رہیں گے اور جب ذرا بھی قوت پکڑ لیں گے تو اُسے چھڑانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینے میں ہرگز دریغ نہ کریں گے۔ دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ اسے اپنے ہاں سے نکال دو، پھر جب یہ ہمارے درمیان نہ رہے گا تو ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں کہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ بہرحال اس کے وجود سے ہمارے نظامِ زندگی میں خلل پڑنا تو بند ہو جائے گا۔ لیکن اس تجویز کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ یہ جادو بیان آدمی ہے، دلوں کو موہنے میں اسے بلا کا کمال حاصل ہے، اگر یہ یہاں سے نکل گیا تو نہ معلوم عرب کے کن کن قبیلوں کو اپنا پیرو بنا لے گا اور پھر کتنی قوت حاصل کر کے قلبِ عرب کو اپنے اقتدار میں لانے کے لیے تم پر حملہ آور ہوگا۔ آخر کار ابوجہل نے یہ رائے پیش کی کہ ہم اپنے تمام قبیلوں میں سے ایک ایک عالی نسب تیز دست نوجوان منتخب کریں اور یہ سب مل کر یک بارگی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ٹوٹ پڑیں اور اسے قتل کر ڈالیں۔ اس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا اور بنو عبدِ مناف کے لیے ناممکن ہو جائے گا کہ سب سے لڑ سکیں، اس لیے مجبوراً خوں بہا قبول کرنے پر راضی ہو جائیں گے۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا، قتل کے لیے آدمی بھی نامزد کر دیے گئے، قتل کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا، اور اس ساری کارروائی کو اس قدر مخفی رکھا گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔ اسی معاملہ کی طرف سورۂ انفال میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۔ (آیت ۳۰)	اور (اے نبیؐ) وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جبکہ کفار تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

حضورؐ کے لیے ہجرت کا اذن اور آپ کی تیاریاں ترمذی اور حاکم نے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب یہاں تک معاملہ پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو مکے سے ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ	اور (اے نبیؐ) دُعا کرو کہ اے میرے رب، مجھے داخل کر سچائی کے ساتھ داخل ہونے کی جگہ، اور

صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ مجھے نکال سچائی کے ساتھ نکلنے کی جگہ سے، اور کسی طاقت
سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (بنی اسرائیل - ۸۰) کو میرا مددگار بنا دے[1]

یہ اجازت اُس دن ملی جس کے بعد آنے والی رات قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے مقرر کی تھی[2]۔ ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے اور ابن جریر و ابن ہشام نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اُسی روز جبریل علیہ السلام نے آکر حضورؐ کو قریش کے ارادے سے باخبر کیا اور آپؐ کو ہدایت کی کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ اس کے بعد آپؐ دوپہر کو منہ پر کپڑا لپیٹے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ بخاری میں امام زُہری کے حوالہ سے حضرت عُروَہ بن زبیر کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا، ہم دوپہر کے وقت اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ ڈھانکے ہوئے ایسے وقت تشریف لائے ہیں جب آپ کبھی ہمارے ہاں نہ آتے تھے۔ (طبرانی میں حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر کی روایت ہے کہ حضورؐ روزانہ صبح وشام ہمارے ہاں آیا کرتے تھے۔ یہی روایت بخاری باب الھجرت میں حضرت عائشہؓ سے بھی منقول ہے۔ اور ابن ہشام میں ابن اسحاق کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی روایت یہ ہے کہ حضور روزانہ صبح یا شام کے وقت ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ مگر اُس روز آپؐ ظہر کے وقت تشریف لائے جو معمولاً آپؐ کے آنے کا وقت نہ تھا)۔ حضرت ابوبکرؓ نے معاً فرمایا "میرے ماں باپ اُن پر قربان ہوں، ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے وہ اِس وقت تشریف لائے ہیں"۔

---

[1] یہاں کسی شخص کو یہ اعتراض نہ ہو کہ مذکورہ آیت تو سورۂ بنی اسرائیل میں ہجرت سے کافی مدت پہلے نازل ہو چکی تھی، پھر اس موقع پر اسی کو اجازتِ ہجرت کی حیثیت سے پیش کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ دراصل اس امر کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ایک آیت پہلے نازل ہو چکی ہوتی تھی، اور بعد میں کسی خاص موقع پر اس کا اعادہ اس لیے کیا جاتا تھا کہ حضورؐ کو یہ معلوم ہو جائے کہ آیت کا حکم اسی موقع کے لیے ہے۔

[2] یہی مصلحت تھی جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اِس وقت تک آپ کو مکے میں روک رکھا تھا۔ پیش نظر یہ تھا کہ کفارِ قریش اپنی حق دشمنی کی آخری حد کو پہنچ جائیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے درمیان سے نکل جانے کا حکم دیا جائے۔

پھر حضورؐ نے اندر آنے کی اجازت مانگی، اور جب اجازت پا کر اندر تشریف لائے تو فرمایا اپنے پاس سے سب کو ہٹا دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یہ تو آپ ہی کے گھر کے لوگ ہیں۔ (موسیٰ بن عُقبہ کی روایت حضرت عائشہ سے یہ ہے کہ اُس وقت میرے اور میری بہن اسماءؓ کے سوا حضرت ابوبکرؓ کے پاس اور کوئی نہ تھا۔ یہی ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت بھی ہے۔ البتہ ابن عُقبہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یہاں صرف میری بیٹیاں ہیں۔ کوئی جاسوس آپ پر نگاہ رکھنے والا نہیں ہے)۔ تب حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے نکلنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے تو معیت کا شرف نصیب ہو گا؟" فرمایا ہاں۔ عرض کیا "میری اِن دو اُونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیں"۔ فرمایا "مگر قیمت دے کر لوں گا"۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں اُسی قیمت پر لوں گا جس پر تم نے اسے خریدا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے قیمت بتائی، اور آپ نے فرمایا یہ میں تمہیں دوں گا۔ اِس کے بعد حضور اور حضرت ابوبکرؓ نے بنی الدِّیل کے ایک شخص عبداللہ بن اُرَیقِط[1] کو، جو راستوں کا ماہر تھا، ہجرت پر راہ نمائی کے لیے مقرر کیا اور دونوں اُونٹنیاں اِس ہدایت کے ساتھ اُس کے حوالہ کیں کہ جس وقت اور جس جگہ ہم بلائیں اُسی وقت اُنہیں لے کر اُس جگہ پہنچ جانا۔

قتل کی رات کا ماجرا اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور رات ہوتے وقت تک وہیں رہے تاکہ دشمنوں کو اِس امر کا ذرّہ برابر بھی شبہ نہ ہونے پائے کہ آپ اُن کے ارادوں سے باخبر ہو چکے ہیں۔ رات کو ٹھیک اپنے طے شدہ وقت پر وہ سب لوگ آ پہنچے جو آپ کے قتل پر مامور کیے گئے تھے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق یہ جملہ ۱۲ آدمی تھے۔ ابوجہل،

[1] اِس شخص کا نام کسی نے اُرَیقِد اور کسی نے اُرَیقط لکھا ہے لیکن صحیح اُرَیقِط ہے جیسا کہ موسیٰ بن عقبہ اور بلاذری اور ابن سعد نے لکھا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس کو طائف سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بنا کر مکہ کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔ اگرچہ یہ مشرک تھا، مگر اتنا وفادار تھا کہ ہجرت کے اس نازک سفر کے موقع پر بھی یہ پورا قابلِ اعتماد ثابت ہوا، حالانکہ قریش نے حضورؐ کی مخبری کرنے والے کے لیے ایک بہت بڑے انعام کا اعلان کر رکھا تھا۔

حَکَم بن ابی العاص، عُقبہ بن ابی مُعَیط، نَضر بن الحارث، اُمیّہ بن خَلَف، حارث بن قیس ابنُ الغیطلہ، زَمعہ بن الاَسوَد، طُعَیمہ بن عَدِی، ابولہب، اُبَیّ بن خَلَف، نُبَیہ بن حَجّاج اور مُنَبّہ بن حَجّاج۔ لیکن ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر اپنی سبز حضرموتی چادر اُڑھا کر لٹا دیا تھا، اس لیے دشمن باہر سے تاک جھانک کر کے جب بھی دیکھتے یہی سمجھتے رہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اپنے بستر پر سو رہے ہیں۔ سُہیلی نے بعض علمائے سیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے دیوار پھاند کر اندر جانے کی کوشش کی تھی، مگر اندر سے کسی عورت کے چیخنے کی آواز آئی جسے سُن کر وہ دبک گئے اور انہوں نے آپس میں کہا کہ "واللہ، یہ سارے عرب میں ہمارے لیے سخت بدنامی کی بات ہو گی کہ ہم دیواریں پھاند کر رات کو اپنے ہی ایک رشتہ دار کے گھر میں گھسے اور ہم نے اپنے قبیلے کی بیٹیوں کی عزت و آبرو کا لحاظ بھی نہ کیا"۔ یہی بات تھی جس کی وجہ سے یہ لوگ رات بھر باہر بیٹھے رہے اور اس انتظار میں رہے کہ صبح سویرے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھیں تو یکبارگی آپ پر ٹوٹ پڑیں۔

حضرت علیؓ کی گرفتاری اور رہائی

اس دوران میں کہ دشمن گھیرا ڈالے ہوئے تھے، رات کو کسی وقت حضورؐ اطمینان سے باہر تشریف لائے اور ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل گئے۔ اُس وقت آپ سورۂ یٰسٓ کی ابتدائی آیات پڑھ رہے تھے۔ صبح ہوئی تو ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو حضورؐ کے بستر پر سے اُٹھتے ہوئے دیکھا، اور اُس وقت انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی کے جا چکے ہیں (ابن سعد، ابن ہشام، بلاذری، ابن جریر، زادُ المعاد)۔ ابن جریر اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا "تمہارے صاحب کہاں ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کہاں تشریف لے گئے ہیں، میں اُن پر کوئی نگران نہیں ہوں، تم لوگوں نے انہیں نکالا اور وہ نکل گئے"۔ اس پر یہ سفاک دشمن جھلا گئے، اُنہیں بہت ڈانٹ ڈپٹ کی، مارا پیٹا اور مسجد حرام میں لے جا کر کچھ دیر بند رکھا۔ مگر جب کسی تشدد سے بھی حضورؐ کا پتہ معلوم نہ کیا جا سکا تو مجبور ہو کر انہیں چھوڑ دیا۔ بعید نہیں کہ اُن کے حضرت علیؓ کو چھوڑ دینے کا اصل سبب یہ ہو کہ حضورؐ نے اُنہی کو اہل مکہ کی امانتیں واپس کر دینے کے لیے پیچھے چھوڑا تھا۔ کفار کو جب یہ معلوم ہوا ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو اس کام کے لیے

مامور کرگئے ہیں تو کچھ انہیں اپنے مال واپس ملنے کے لالچ نے اُن کی رہائی پر آمادہ کیا ہوگا، اور کچھ اُنہیں شرم بھی آئی ہوگی کہ جس شخص کو وہ قتل کرنے کے لیے آئے تھے وہ اتنا بلند اخلاق انسان ہے کہ قتل گاہ سے نکلتے وقت بھی اُسے اپنے دشمنوں کی امانتیں ادا کرنے کی فکر رہی۔

حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر چھاپہ حضرت علیؓ سے فارغ ہو کر ان ظالموں نے حضرت ابوبکرؓ کے مکان کا رُخ کیا۔ ابن اسحاق نے حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ دوسرے روز قریش میں سے چند آدمی، جن میں ابوجہل بھی تھا، ہمارے ہاں آئے اور انہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر مجھ سے پوچھا تمہارا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا مجھے خبر نہیں۔ اس پر ابوجہل نے اس زور کا تھپڑ مجھے مارا کہ میرے کان کی بالی ٹوٹ کر دُور جا پڑی، پھر وہ لوگ چلے گئے (ابن ہشام و ابن جریر)۔

مکہ سے نکل کر غارِ ثَور میں پناہ لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور دونوں صاحبوں نے راتوں رات جا کر مکہ سے دو تین میل دُور ثَور نامی ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لے لی۔ مُسند احمد اور ترمذی کی روایت ہے کہ مکّے سے نکلتے وقت حضورؐ حَزْوَرَہ کے مقام پر کھڑے ہوئے، بیت اللہ کی طرف رُخ کیا اور بڑے درد کے ساتھ فرمایا "اے مکّہ، خدا کی قسم تو مجھے خدا کی زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہے، اور خدا کو بھی اپنی زمین میں تو ہی سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اگر تیرے باشندوں نے مجھے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھے چھوڑ کر نہ نکلتا۔" اس کے بعد آپ ثَور کی طرف روانہ ہو گئے۔

ثَور میں پناہ لینے کی حکمت اس جگہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس کام کے لیے جَبَلِ ثَور کا انتخاب کس حکمت کی بنا پر کیا گیا تھا۔ یہ پہاڑ مکّہ کے جنوب میں یمن کے راستے پر ہے، حالانکہ مدینۂ طیبہ مکّہ کے شمال میں شام کے راستے پر واقع ہے۔ کفارِ مکّہ کو معلوم تھا کہ حضورؐ ہجرت کر کے مدینے جانا چاہتے ہیں۔ اس لیے لامحالہ آپ کا تعاقب کرنے کے لیے اُن کا ذہن سب سے پہلے شمالی پہاڑوں اور پہاڑی راستوں ہی کی طرف جا سکتا تھا۔ جنوب اور مشرق اور مغرب کی طرف اُن کی جستجو کا رُخ صرف اُسی صورت میں پھرتا جب کہ وہ شمالی راستوں میں آپ کو تلاش کرنے سے عاجز ہو چکے ہوتے۔ اس طرح یہ اُمید تھی کہ غارِ ثَور تک اُن کے پہنچتے پہنچتے کافی وقت لگ جائے گا۔

غارِ ثَور کے لیے حضرت ابوبکرؓ کے انتظامات زمانۂ قیامِ ثَور کے لیے روانہ ہونے سے پہلے ہی حضرت ابوبکرؓ

نے تمام ضروری تیاریاں کر لی تھیں[۱]۔ بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگوں نے جلدی جلدی دونوں مسافروں کے لیے سامانِ سفر تیار کیا اور ایک تھیلے میں زادِ راہ کے طور پر ضروری چیزیں رکھ دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو، جو نہایت ہوشیار نوجوان تھے، ہدایت فرمائی کہ دن اہلِ مکّہ میں گزارو اور خبریں لیتے رہو، پھر رات کو ہمارے پاس آکر دن بھر کی جمع شدہ اطلاعات سنا دیا کرو۔ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت عامرؓ بن فُہیرہ کو حکم دیا کہ وہ دن بھر حسبِ معمول ہماری بکریاں چراتے رہیں اور اہلِ مکہ کی خبریں لیتے رہیں، پھر رات گئے ہمارے پاس آکر بکریوں کا دودھ بھی دے دیا کریں اور جو خبریں سنیں وہ بھی ہمیں بتا دیا کریں۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت اسماءؓ روز رات کو تازہ کھانا بھی پہنچاتی رہیں[۲] (ابن ہشام)۔ (باقی)

---

[۱] مُسندِ احمد، طَبَرَانی اور سیرۃ ابن ہشام میں ابن اسحاق کے حوالہ سے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت ہے کہ ہمارے والد صاحب چلتے وقت اپنا سارا مال جو ۵ — ۶ ہزار درہم تھا اپنے ساتھ لے گئے۔ (بَلاذُری کی روایت کے مطابق اسلام قبول کرنے کے وقت ان کے پاس ۴۰ ہزار درہم تھے)۔ بعد میں ہمارے دادا ابو قُحافہ جو نابینا تھے اور اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، ہم سے کہا، میرا خیال ہے کہ وہ اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی لے گیا ہے۔ میں نے کہا، نہیں ابا جان انہوں نے خیرِ کثیر ہمارے لیے چھوڑی ہے۔ پھر جس طاق میں والد صاحب اپنا مال رکھتے تھے اس کے اندر میں نے کچھ پتھر رکھ کر اُوپر سے کپڑا ڈال دیا اور دادا جان کو لے جا کر اُن سے کہا آپ ہاتھ لگا کر دیکھ لیں۔ انہوں نے ہاتھ اُس پر رکھ کر کہا، اگر یہ اس نے تمہارے لیے چھوڑا ہے تو کافی ہے۔ حالانکہ فی الواقع ہمارے والد نے کوئی مال نہیں چھوڑا تھا اور میں صرف دادا جان کو تسکین دینا چاہتی تھی۔

[۲] یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے جسے رفع کر دینا ضروری ہے۔ اُوپر ذکر آیا ہے کہ حضرت علیؓ سے جب کفار نے پوچھا کہ تمہارے صاحب کہاں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے خبر نہیں۔ پھر ذکر آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر جا کر حضرت ابوبکرؓ کا پتہ پوچھا تو حضرت اسماءؓ نے بھی یہی جواب دیا کہ مجھے خبر نہیں، حالانکہ بعد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ غارِ ثَور جانے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے جو انتظامات کیے تھے ان میں سے ایک خدمت حضرت اسماءؓ کے بھی سپرد تھی۔ پھر یہ ذکر بھی آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سارا مال گھر سے لے گئے تھے، مگر حضرت اسماءؓ نے اپنے دادا صاحب کو یقین دلایا کہ وہ بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ ان باتوں پر ذہن میں سوال پیدا (باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)

ہوتا ہے کہ کیا یہ جھوٹ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک پہلی دو باتوں کا معاملہ ہے اُن میں تو دو یکساں احتمالات ہیں۔ ایک احتمال یہ کہ حضرت علیؓ اور حضرت اسماءؓ کو فی الواقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی جائے پناہ کا اُس وقت علم نہ ہو جب اُن سے یہ سوال کیا گیا تھا۔ اور دوسرا احتمال یہ کہ ان کو علم تو تھا، مگر انہوں نے دشمنوں کو بتانے سے اس لیے انکار کیا کہ سچ بول کر ظالم کو ظلم میں مدد دینا خلافِ واقعہ بات کہنے سے بدرجہا بڑی بُرائی ہے، اور خلاف واقعہ بات کہہ کر مظلوم کو ظلم سے بچانا درحقیقت سرے سے کوئی بُرائی ہی نہیں ہے بلکہ شرعاً، اخلاقاً اور عقلاً سراسر جائز فعل ہے۔ صرف ایک بیوقوف ہی اسے جائز قرار دے سکتا ہے اور یہ اصرار کرسکتا ہے کہ اُنہیں قاتلوں کو غارِ ثور کا پتہ دے دینا چاہیے تھا، یا یہ کہنا چاہیے تھا کہ ہمیں ان کا پتہ معلوم ہے مگر ہم تمہیں بتائیں گے نہیں، تاکہ قاتل انہیں شدید اذیتیں دے کر راز اُگلوالیں۔ رہی وہ بات جو حضرت اسماءؓ نے اپنے داداصاحب سے کہی، تو وہ توریہ کی بہترین مثال ہے۔ توریہ اس کو کہتے ہیں کہ صریح جھوٹ بولے بغیر کسی مصلحت سے حقیقت پر پردہ ڈال دیا جائے، اور یہ شرعاً جائز ہے۔ حضرت اسماءؓ نے یہ نہیں کہا کہ ابا جان بہت سا مال چھوڑ گئے ہیں بلکہ یہ کہا کہ وہ خیر کثیر چھوڑ گئے ہیں۔ پھر طاق میں رکھے ہوئے ڈھیر پر اُن کا ہاتھ رکھوا دیا۔ دادا صاحب نے سمجھا کہ یہ مال کا ڈھیر ہے، مگر حضرت اسماءؓ نے یہ نہیں کہا کہ اس ڈھیر میں مال ہے۔ اس طرح انہوں نے جھوٹ بولے بغیر اپنے بوڑھے اور نابینا دادا کو اُس پریشانی سے بچا لیا جس میں وہ مفلسی کے اندیشے سے مبتلا تھے۔